ڈاکٹر نعیم مظہر

''دشتِ سوس'' میں منظر نگاری

Description is an important element of literary style. In fiction, especially, description of different natural scenes and events increases the effect of writing. "Dasht-e-Soos" written by Jamila Hashmi is one of the prominent novels of Urdu. Jamila has demonstrated her observation and skill through rich description in this novel. This article critically discusses this aspect of the novel.

منظر نگاری اُسلوب ہی کا حصہ ہے۔کوئی بھی فنکار کسی بھی جگہ یا مقام کی تصویر کشی کرتا ہے تو لازمی طور پر اُسے منظر نگاری کے اُسلوب کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح وہ فن پارہ زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ فنکار کے اُسلوب اور اُس کی فنّی بصیرت پر منحصر ہے کہ وہ منظر کشی کرتے وقت کہاں تک کامیاب ہو سکا ہے۔کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ لکھنے والا اپنے جامد اور بوجھل اُسلوب کی وجہ سے رواں دواں منظر کو ساکت کر کے رکھ دیتا ہے اور بعض اوقات وہی لکھاری اپنے لفظوں اور اُسلوب کے ذریعے ساکت منظر کو متحرک بنا دیتا ہے۔منظر نگاری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ تاریخ بھی اُردو ادب کی تاریخ کی طرح ہی پرانی ہے۔

اُردو ادب کی تقریباً تمام اصناف میں منظر نگاری کا حوالہ ملتا ہے۔شاعری میں دیکھا جائے تو ہمارے سامنے مثنوی اور مرثیہ کی اقسام آتی ہیں جن میں جاندار قسم کی منظر نگاری ملتی ہے اور اسی طرح نثر میں داستان، ناول، افسانہ وغیرہ میں بھی منظر نگاری کے نقوش ملتے ہیں۔غزل کے اشعار کو دیکھا جائے تو ان میں کہیں کہیں منظر نگاری نظر آتی ہے۔غالب کے ہاں بھی منظر نگاری کا عنصر ملتا ہے۔اسی طرح حالی اور آزاد نے تو باقاعدہ طور پر منظر نگاری سے کام لیتے ہوئے اپنی نظموں کو ترتیب دیا ہے۔

اُردو نثر میں منظر نگاری کی ابتداء داستان سے ہوتی ہے۔ ہمارے قدیم داستان گو مناظر کی تفصیل بیان کر کے کہانی کی اُٹھان پیدا کرتے تھے اور کئی کئی گھنٹے اپنی محافل کو سجائے رکھتے تھے۔ایسے داستان گو جو زبانی داستانیں سناتے تھے، وہ سامعین کو اپنی گرفت میں لینے اور کہانی کے کینوس کو ہموار کرنے کے لیے ہمیشہ داستان کا آغاز ہی منظر نگاری سے کرتے تھے اور طویل منظر نگاری کرنے کے بعد اصل کہانی کی طرف لوٹتے تھے۔اسی انداز کو بعد میں لکھنے والوں نے بھی اختیار کیا۔ایسے ناول بھی ملتے ہیں جن میں ہر باب کی ابتداء منظر کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔اُردو ناول نگاروں نے لکھتے وقت قدرتی مناظر اور ثقافتی مناظر کو بھی پیشِ نظر رکھا، حالانکہ ثقافتی مناظر کی تعداد ہمیں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ ثقافتی مناظر جہاں برصغیر کی مسلم تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں وہاں مسلمانوں کے سماجی مزاج کے ترجمان بھی ہیں۔ان ثقافتی اور قدرتی مناظر کو دیکھا جائے تو ہمارے سامنے جمیلہ ہاشمی کے ایک ناول ''دشتِ سوس'' کی مثال موجود ہے۔

جمیلہ ہاشمی تاریخی و اسلامی رجحان کی آبیاری کرنے والے ناول نگاروں میں ایک مسلّم حیثیت رکھتی ہیں۔انہوں نے دو تاریخی ناول ''چہرہ بہ چہرہ روبرو'' ۱۹۷۷ء میں اور ''دشتِ سوس'' ۱۹۸۳ء میں تخلیق کیے۔''چہرہ بہ چہرہ روبرو'' ایران کے متوسط طبقے کی پابندیوں اور محدود اخلاقی اقدار کو موضوع بناتا ہے۔جبکہ ''دشتِ سوس'' بغداد کے درویش وصوفی حسین بن منصور حلاج سے متعلق ہے۔منصور ایران کے شہر طوس میں پیدا ہوا۔ابتدا ہی سے اس کے خیالات غیر روایتی تھے۔انہی خیالات کے تحت

اس نے قرآن پاک کی نئی تفسیر بھی لکھی تھی۔تصوف کے عقیدے کے لحاظ سے منصور وحدت الشہود ی تھا اور انسان کی ذات کے اندر ہی خدا کے وجود کو تسلیم کرتا تھا۔اس نے جب انا الحق کا نعرہ بلند کیا تو حکومت نے اس پر زندیق اور مشرک ہونے کا الزام لگا کر اُسے دجلہ کے کنارے مصلوب کر دیا۔

جمیلہ ہاشمی نے اپنے ناول ''دشتِ سوس'' میں جگہ جگہ پر قدرتی اور ثقافتی مناظر کو پیش کیا ہے۔ایک جگہ پر رات کا منظر یوں کھینچتی ہیں:

> ''رات کا آسمان ستاروں سے مزیّن گھرا چاندنی میں دھلا دھلا اور زردی مائل تھا اور کہکشاں کروڑوں زمیں سے بھی بڑے سیّاروں سے سجی اپنی خاکساری میں سب سے زیادہ روشن ایک بڑے دھارے کی طرف اُفق سے تا با اُفق اپنے غبار میں ڈھکی بہہ رہی تھی اور بستی سے پرے کھلا صحراریت کے ژولیدہ لہریوں میں الجھا ہوا تھا اور قافلے رواں دواں شاہراہ پر سے گزر رہے تھے اور شعبان کی آباد راتوں کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔''(۱)

ایک جگہ پر منصور اپنے ساتھیوں سے ہمکلام ہوتا ہے کہ سورج کی نمو کے ساتھ ہی شبنم کیسے ختم ہو جاتی ہے۔اور منظر کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے:

> ''پاس کے درختوں میں ایک لمبی تان گونجی جیسے راگ شروع کرنے سے پہلے ساز کو درست کیا جا رہا ہو۔پھر سرائے سے پرلی طرف بستی کے باغوں میں ایک کے بعد ایک جیسے گواہی دینے والے ہوں،طوفان گرد بار آس پاس منڈلایا،دشتِ سوس کی زرد اور سیاہ ریت لہروں میں اوپر اُٹھی اور ہر شے پر مسلّط ہوگئی۔اس میں دور کھنڈروں اور ویرانوں میں آگے سخت جان پودوں اور پتوں کی خوشبو تھی۔زمانوں سے شکست وریخت میں گرفتار عمارتوں کی پرانی خاک تھی۔آب دژ کے اوپر نمی اور ہوا تھی،مگر سارے راستے مسدود ہو چکے تھے۔''(۲)

جب معتزلہ کے دشمنوں نے اس کی فوج پر حملہ کیا تو جمیلہ ہاشمی نے اس حملے کے منظر کو یوں بیان کیا ہے:

> ''آسمان صاف اور ستاروں سے بھرا تھا۔ہوا خوشگوار تھی۔جب پنج شنبہ کی رات کو یکا یک فضا آوازوں اور چنگاریوں سے بھر گئی،ستارے ٹوٹتے اور زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی بکھر جاتے۔راکھ کی بارش سی ہونے لگی۔لوگوں نے معبدوں میں اذانیں دینا شروع کر دی تھیں۔توبہ واستغفار اور خدا کے قہر کے ڈر نے سب کی جانوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔''(۳)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ۔اسی صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسین کہتا ہے کہ:

جو جاگتا ہے اسے نیند آ جاتی ہے
جو بنتا ہے اسے بگڑنا ہوتا ہے
بستیوں کے مقدر میں کھنڈر بننا
اور آدمیوں کے مقدر میں موت ہے
یہ الم کی بات نہیں کون ہمیشہ رہا ہے

صرف قصے باقی رہ جاتے ہیں اور داستان سننے اور سنانے والوں کے لیے عبرت کی کہانیاں جو جاگتا ہے اسے نیند آ جاتی ہے کون زندہ جاوید ہے سوائے اس کے جسے نہ نیند ہے اور نہ اونگھ۔(۴)

جمیلہ ہاشمی نے ایک مقام پر رات ختم ہونے کو ہے اور صبح ہونے والی ہے، اس سماں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے:

''ستاروں کے غبار سے بنا کہکشاں کا راستہ روشن تھا اور کوچ کا نقارہ جب بجا ہے تو چاندنی پہلی راتوں کے چاند کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی۔ بستی کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں برابر آ رہی تھیں کیونکہ وہ گدھوں کے رینگنے سے خبردار ہو گئے تھے اور ہوا میں جانوروں کی موت اور گوبر کی بو سونگھ کر اُن کی حسیں تیز ہو گئیں تھیں۔ چراغوں کی لوئیں بھڑک رہی تھیں، روشنی اور اندھیرا آنکھ مچولی کھیل رہے تھے یا جیسے کرمک شب تاب اکا دکا راہ بھول کر بستی کی طرف لوٹ رہے ہوں۔''(۵)

ایک اور جگہ پر انہوں نے مساجد اور رمضان کی برکات کا ذکر یوں کیا ہے:

''رمضان المبارک کی شب بیداریاں اور عبادات، خانقاہ میں ہجومِ عاشقاں اور ذکر و فکر کی محفلوں میں شوریدہ سر لوگوں کا حلقہ، وہ رونق بھری راتیں جب شقی و سعید سب خدا کے خوف اور خلق کی شام سے آباد مسجدوں میں قیام کرتے دیوانے اور دیوانے ہوتے۔ سرشاری و محبت کی راتیں، بے خودی اور سرور کی... غیب و شہود کے فرق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ناسمجھ اور مرغِ بسمل کی طرح پھڑکتے ہوئے عاشقِ زار اور حیرت سے نیم بے ہوش حسیں۔''(۶)

اسی طرح ایک اور جگہ پر انہوں نے رمضان کی آمد کا بڑی عمدگی کے ساتھ نقشہ کھینچا ہے:

''یہ شعبان کی آخری تاریخیں تھیں۔ بیشتر لوگ عبادت میں مصروف اور رمضان المبارک کی آمد آمد کی وجہ سے نوافل میں لگے ہوئے تھے۔ صحن مسجد تلاوت کرنے والوں اور قرأت کے جلسوں میں مصروف خوش الحان قاریوں اور مختلف النوع دور دراز کے علاقوں سے آئے ہوئے معلّموں اور حفاظ سے پُر تھا۔ کبوتر دانے پر چونچ نہیں مارتے تھے، جیسے افطار کے وقت کے منتظر ہوں۔''(۷)

ایک جگہ پر حسین موت کی مدح میں اشعار یوں گاتا ہے۔ مثلاً:

موت کے لیے اولاد پیدا کرو
اور ویرانہ بننے پر عمارتیں تعمیر کرتے رہو۔
اور یاد رکھو تم سب فنا سے ہم کنار ہونے والے ہو۔
اے موت! تجھ سے کوئی مفر نہیں تو آ کر رہتی ہے۔
تو میرے بڑھاپے پر اسی طرح حملہ آور ہو رہی ہے
جس طرح بڑھاپا میری جوانی پر حملہ آور ہوا تھا
اولادِ آدم منتظر ہے، منتظر۔
تاکہ موت کی آندھی اس پر چھا جائے۔ (۸)

جمیلہ ہاشمی ایک اور مقام پر حسین کے دلکش بچپن کی عکاسی یوں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں:

''برف پوش وادیوں میں چراگاہوں اور شفاف پانیوں کے ساتھ گزرا بچپن اسے یاد آتا تھا۔ جہاں غاروں میں اس کا کنبہ سرد موسموں میں تقریباً بند ہو کر بھیڑوں کے ساتھ ایک ہی چھت تلے گزارا کرتا۔ بھیڑوں کے جسموں سے نکلتی اُن کے موت اور گوبر کی بُو جو اُن کے سانسوں میں بھی رچ جاتی۔ مینگنوں سے جلائی گئی آگ پر پکایا ہوا شوربہ اس دھوئیں کی بساند لیے ہوتا اور چربی کے ساتھ مزے میں بھی ملا رہتا۔ مدھم روشنی میں وہ اور اس کی ماں رنگین تاگوں سے لباسوں پر اور ٹوپیوں پر موتی ٹانکتیں اور بیل بوٹے بناتیں۔''(۹)

جب حامد بن عباس علاقہ فتح کرنے کے بعد واپس گھر آتا ہے تو ایوان کا منظر یوں نظر آتا ہے:

''مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ قصر کے راستوں پر روشنیاں درختوں کی گھنی شاخوں اور پتوں کے اندر پوشیدہ تھیں، جیسے ستارے ضوفشاں تو ہوں مگر ظاہر نہ ہوں۔ لمبی راہداریاں اور ایوان پراسرار رنگوں سے آراستہ تھے اور ستونوں پر لپٹے پھولوں اور بلند و بالا چھتوں میں سے آبشار کی طرح گرتے نور کی وجہ سے یہ نشست گاہ جہاں حامد بن عباس... بالوں میں چھوٹے چھوٹے گل رنگ سجائے وہ کسی اور سیّارے کی مخلوق تھیں۔ شوخ اور دلیر، خاموش اور خوفزدہ، دل ربا اور نظر باز، آہستہ خرام اور شرمیلی...''(۱۰)

ناول کے آخری حصہ میں جہاں حسین نے اناالحق کا نعرہ لگایا تھا تو قاضی نے فوراً عمار کو بلایا اور حسین کی گردن اُڑانے کے لیے کہا۔ اس منظر کا نقشہ جمیلہ ہاشمی نے یوں کھینچا ہے:

''عمار یہ شور قیامت یونہی تھمے گا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ وہ تیزی سے اس روش کی طرف چلنے لگا جہاں فواروں کی ایک لمبی قطار تھی اور پھوار راستے کو گیلا کرتی تھی۔ درختوں کے سائے میں یہ عجیب سماں تھا مگر اب حامد کو لگا فواروں سے پانی کے ساتھ خون برس رہا ہے۔ پگڈنڈی خون رنگ ہو رہی ہے۔ سائے سکڑ گئے تھے اور ہر صدا آہ و نالہ کی صدا تھی۔''(۱۱)

جمیلہ ہاشمی نے اس ناول میں کچھ جگہ پر تاریخی حقائق کو چھپانے کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن یہ ان کا آخری تاریخی ناول ہونے کے ناطے اور اس کے ساتھ ساتھ دسویں صدی کے عباسی خلافت کے دَور کو انہوں نے خوبصورت زبان و بیان کے ساتھ ساتھ قدرتی مناظر اور ثقافتی مناظر کی بھی بھرپور عکاسی کی ہے۔

جہاں تک تاریخی ناول نگاری میں منظر نگاری کا تعلق ہے تو اس کی بھرپور عکاسی ہمیں شرر کے یہاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے ان مناظر سے جہاں ناول کی جغرافیائی حدود کو زندہ کر دیا ہے وہاں اپنی فنّی مہارت کا بھی بھرپور اظہار کیا ہے۔ بعد میں جب ناول کے موضوعات بدلے تو ناول نگاروں کے ہاں بھی مناظر کی کئی قسمیں رونما ہونے لگیں۔ مثلاً دیہاتی اور شہری مناظر میں بھی فرق آ گیا۔ جب ہم بڑے بڑے ناول نگاروں کے فن پاروں کا منظر نگاری کے حوالے سے تجزیہ کرتے ہیں تو ان میں شرر، نذیر احمد، رسوا، اے حمید، شوکت صدیقی، قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین اور جمیلہ ہاشمی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جمیلہ ہاشمی، ''دشتِ سوس''، رائٹرز بک کلب، لاہور کینٹ، اگست ۱۹۸۳ء، ص ۸

۲۔ ایضاً، ص ۳۸

۳۔ ایضاً، ص ۶۴

۴۔ ایضاً، ص ۱۰۸-۱۰۹

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۶

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۸۔ ایضاً، ص ۳۴۵

۹۔ ایضاً، ص ۳۹۰، ۳۹۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۹۵-۳۹۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۹۰